IJAER/Nov-Dec 2022/Volume-11/Issue-6 ISSN: 2278-9677
International Journal of Arts & Education Research

یوسف عارفیؔ کرناٹک کا جدید افسانہ نگار

از۔ ڈاکٹر الیاس احمد پٹویگر ۔ اسسٹنٹ پروفیسر۔ شعبہ ء اردو ، نہرو ڈگری کالج، ہبلی ، کرناٹک

کرناٹک میں اردوافسانہ نگاری کے میدان میں یوسف عارفیؔ جدید افسانے کی نئی فرہنگ کا نمایاں نام ہے ۔ آپ کا پہلا افسانہ '' منزل کے بھکاری '' 1964 کے دوران '' تخلیق '' دہلی میں شائع ہوا ۔ آپ کے افسانے اور تنقید مضامین ملک اور بیرون ملک کے مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں جن میں '' شاعر سب رس، آہنگ اور تحریک '' کے علاوہ پاکستانی رسائل ، بادبان، تشکیل ، نیرنگ خیال اور سیپ قابل ذکر ہیں۔

حساس ترین لمحے حیران و پریشان متحرک آنکھیں کائنات کے ذرے ذرے میں چھپی سیمابی زندگی کے عکس کو نمایاں کرتی نظر آتی ہیں۔ کرتا ہے ماضی کا یہی تعاقب ہے Haunt یوسف عارفیؔ سماجی بے اعتدالیوں کے اسباب افسانوں کے پیکر مینڈھا لتے ہیں ماضی ہمیشہ آپ کو جوآپ کوماضی سے وابستہ تلخ و شیریں حقائق کو حال میں لکھنے پر مجبور کرتا ہے ۔ سنہرے ماضی اور حال کی تلخیوں کے درمیان جاری ذہنی سفر افسانوں کی تخلیق کا سبب بنتا ہے ۔ '' منزل کے بھکاری ''، اسکا دکھ''، بے سمت مسافر کا سفر'' ، پھر سفر بے سمت ہوا ''، وہ میں اور یہ '' ، ایک کہانی مٹتی ہوئی اقلیت کے لئے ''، اور'' ایک غیر ضروری آدمی کی آخری شاپنگ '' اس کی مثالیں ہیں۔

موضوع کے اعتبار سے آپ کے افسانے تین زمروں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں ا ول روایتی نفسیاتی اور سماجی افسانے جن کا موضوع سیدھا سادھا اور اسلوب روایتی ہے ۔ '' منزل کے بھکاری '' جینے کے لئے '' پیاسا ساون'' اسی نوعیت کے افسانے ہیں۔ دوسرے زمرے کے افسانوں میں تخلیقی بالیدگی اور معنویت کی گہرائی ہے ان میں '' بے شناسائی '' ایک جھلایا ہوا چہرہ، جھوٹ ، مٹتے لمحوں کاکرب، اس کی لاش، ایک ضروری آدمی، ایک ادھوری کہانی ، ایک کہانی مٹتی ہوئی اقلیت کے لئے '' اورتازہ کہانی '' ایک غیر ضروری آدمی کی آخری شاپنگ '' قابل ذکر ہیں۔ تیسرے زمرے کے افسانوں کا مرکزی خیال پرانے اور نئے اقدار کی باہمی کشمکش ، قدیم و جدید تہذیب اور ثقافت کا ٹکراؤ، زبان کی مٹتی ہوئی شناختیں ہیں۔ یوسف عارفیؔ کو یہ موضوع بہت عزیز ہے کیونکہ اس میں بصیرت اور آگہی کا خزانہ چھپا ہے اور فاضل افسانہ نگار کواسی کی تلاش ہے اسی کی تلاش میں آپ کا ذہن ہمیشہ محو سفر رہتا ہے ۔ بقول یوسف عارفیؔ:

'' کسی چیز کے کھوجانے ، ٹوٹ جانے اور منتشر ہجانے کے احساس میں شدت آجاتی ہے ۔ اضطراب اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ میراذہن اس کے اسباب و علل کی کھوج میں دنیا جہاں کا چکر لگا بیٹھتا ہے ۔ اس وقت گھر یا دفتر میں رہ کر بھی میں سفر میں رہتا ہوں، اور اس سفر میں پیش آنے والی تیز آندھیاں ، جھلستی دھوپ اورگھنے ابر آلود دن میری تخلیق کا جواز بن جاتے ہیں ''

{'' یوسف عارفی ایک ملاقات : از: قاضی ضیاء : روزنامہ '' سالار }

پہلے زمر ے کے افسانوں میں موضوع اور فنی اعتبار سے سطحیت نظر آتی ہے اس دور کے افسانوں میں آپ کی نظر زندگی کے خارجی پہلوؤں تک ہی محدود نظر آتی ہے تاہم دوسرے ا ور تیسر ے زمرے کے افسانوں میں فنی اور تخلیقی بالیدگی ملتی ہے ۔ ''منزل کے بھکاری '' ملازمت کی تلاش میں سرگرداں ایک تعلیم یافتہ نوجوان کی کہانی ہے جو نوکری کی تلاش میں پھر رہا ہے ۔ نوکری نہیں مل رہی ہے اوروہ نوکری کی شکل میں منزل پانے مسلسل جدوجہد کر رہا ہے لیکن ایک بھکاری کی طرح وہ رات کہیں فٹ پاتھ پر بسر کر رہا ہے وہ دیکھتا ہے کہ تمام کالے دھندے رات کے اندھیر ے میں ہورہے ہیں۔ ''جینے کے لئے ''سماجی بے اعتدالی زندہ رہنے اور اپنے اہل خانہ کو زندہ رکھنے ا پنی ناموس اپنے جذبات اور خوشیوں کو قربانی کر دینے والی عورت کی داستان ہے ۔ '' پیاسا ساون'' میں جہیز کے بوجھ تلے سسکتے افراد کی تشنہ کام آرزوؤں اور محرومیوں کا کرب ہے ۔ والدین کو رقم سے زیادہ قیمتی ''داماد'' کا رشتہ مطلوب ہے ۔نفسیاتی افسانوں میں '' اس کا دکھ'' ایک جھلایا ہوا چہرہ، ایک غیر ضروری آدمی اور ایک غیر ضروری ادمی کی آخری شاپنگ قابل ذکر ہیں ان افسانوں میں تخلیقی بالیدگی ہے اورمعنوی اعتبار سے بہت گہرائی ہے ۔

اس کا دکھ '' (مطبوعہ سب رس مارچ1990) فنی اعتبار سے ایک نئی تکنیک کے تحت لکھی گئی کہانی ہے یہ افسانہ دراصل '' تقسیم ہند کی خوں آشام واقعات کی بازیافت ہے ۔ افسانے کا ابتدائی حصہ موضوع کے اعتبار سے بقیہ افسانے سے جزوی طور پر الگ نظر آتا ہے یہ افسانہ مٹتی ہوئی آبائی تہذیب ا ور نئے تہذیبی اقدارمیں تصا دم کے سا تھ ہی سا تھ ملک کے بٹو ا رے کی دا ستا ن بھی ہے۔ غیر منقسم ہندوستان کی علامت بوڑھا احوال سنتاہے کہ بٹوارے سے قبل ہندو مسلمان بھائی چارگی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے سایے میں کیسے پرسکون اورخوشحال زندگی بسر کر رہے تھے ۔ایک دن یکایک فسادات پھوٹ پڑے عبادت گاہیں پناہ گاہوں میں بدل گئیں اس وقت بوڑھے کے دونوں بیٹے اس کے ہمراہ تھے ۔ '' بیٹے '' یہاں تقسیم سے قبل کے ہندوستانی اور پاکستانی علاقوں کی علامت ہیں۔ فسادات نے بوڑھے کے دونوں بیٹوں کو بھی نظریاتی اور سیاسی سطح پر ایک دوسرے کا مخالف بنادیا ۔ غیر منقسم ہندوستان کے دو مضبوط بازوہندوستان اور پاکستان کی

صورت میں کٹ کر الگ ہوگئے ۔ غیر منقسم ہندوستان کے ان دو خطوں کو دو مضبوط بازوؤں کی شکل میں فرقہ وارانہ منافرت نے الگ کر دیا ۔

آج شہری زندگی میں خود غرضی ، بے مروتی اور بے حسی اتنی بڑھ رہی ہے کہ ایسے ماحول میں ایک پر خلوص دوست کا ساتھ بیش بہا دولت سے کم نہیں ہے ۔ ''جھلایا ہوا آدمی میں ''یوسف عارفی نے ایسے ہی دو مخلص دوستوں کی کہانی بیان کی ہے ۔ ' بھیڑ میں کھویا ہوا شناسائی '' بھی اسی قبیل کاافسانہ ہے جس میں انسانی رشتوں کی شکست و ریخت کا کرب ہے ۔ '' بے سمت مسافر کا سفر'' پھر سفر بے سمت ہوا، اس کی لاش، بے ہودہ، ایک ادھوری کہانی، چوراہے پر ،بھیڑ میں کھویا ہوا شناسائی ، جھوٹ، مٹتے لمحوں کا کرب، ایک ضروری ادمی ، ایک کہانی مٹتی ہوئی اقلیتوں کے نام ، آج کے بعد اور ایک غیر ضروری آدمی کی آخری شاپنگ '' اس ضمن میں قابل ذکر افسانے ہیں۔ان افسانوں میں '' سفر'' سڑک ''، اور اردو کی کتابوں کا ذکر کہیں نہ کہیں ضرور مل جا تاہے اورکبھی کبھی سماجی اور معاشی ناہمواریوں کے اسباب وعلل بیان کرتے ہوئے ملک میں پھیلی دہشت گردی ، جابجا رونما فسادات اور انسانیت سوزواقعات کا ذکر بھی ضمناً آجاتا ہے تاہم کوئی بھی واقعہ غیر ضروری نظر نہیں آتا۔

بے سمت مسافر کا سفر ''(مطبوعہ ماہنامہ '' شاعر'' اور روزنامہ سالار10-7-99) شہر میں بسے ایک فرد کا شہر سے اپنے وطن کی '' طرف سفر کا ماجرا ہے ۔ ماجرا سرائی کے دوران وہ ملک میں ہو رہی ترقیوں کے علاوہ دہشت پسندوں کی بربریت کا ذکر کرتا ہے ۔ افسانے کی ابتداء میں راوی جہاں ٹرین میں آئی خوشگوار تبدیلیوں سے خوش ہے وہیں دہشت پسند سرگرمیوں سے متعلق اخبار کی سنسنی خیز خبروں سے رنجیدہ ہوکر سوچتا ہے :

دہشت پسندوں کی بربریت اب اتنی عام ہوگئی ہے کہ لگتا ہے کہ سو پچاس آدمیوں کی موت کوئی بڑا سانحہ یا کوئی بڑا مسئلہ نہیں '' رہ گیا ہے ۔ ریپ کے واقعات میں دن بدن اضافہ دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ اس نئے دور میں انسان کے مہذب بننے میں جو کسر بہ گئی تھی وہ اب ''پوری ہوگئی ہے ۔

بے سمت مسافر کا سفر: از: یوسف عارفی: مطبوعہ روز نامہ '' سالار'' ادبی ایڈیشن مطابق }
{۱۰ جولائی ۱۹۸۹ء

ایک ادھوری کہانی ''مینماضی سے چمٹا ہوا بوڑھا بھی ہے اور اس کے ساتھ چلتا ہوا نئی تہذیب کا پرورده نوجوان بھی ۔ دیہاتی نوجوان '' کتاب کے مصنف سید مرتضیٰ شاہ قادری کاجاہل اور گنوار پوتا ہے جو پیٹ کی آگ بجھانے اور جینے کے لئے خود بھی کڑی محنت کر رہاہے اور بیوی بھی اس کے ساتھ انتھک محنت کر رہی ہے یہ دیہاتی شہر میں بسے اپنے تعلیم یافتہ بھائی سے مل کر اپنے کھردرے ہاتھوں اور دھول سے اٹے پاؤں کو دیکھتے ہوئے بچپن میں رٹائے گئے سبق کو دہرارہاہے ۔

این چیست ... این گربا است ... این چیست ... ان چیست'' ... بازار کی سڑکوں پر چلتے ہوئے اس نے حالات کو پہچاننے '' این چیست''؟ کئی بار دہراتا ہے۔ یہاں ماضی سے کٹا ہوا نئی نسل کا انسان بے روح ہے ۔ جسے ماضی سے جڑے اقدارکا پرورده بوڑھا پرانی تہذیب اور کلچر کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :''اے عزیز! توبھی سن لے ، میننے دیکھا ہے ، مقدس عید کی ساعتوں میں لوگ بلا تفریق مذہب و ملت ایک وسیع و عریض کچہری میں جمع ہو کر والہانہ انداز مینایک دوسرے سے گلے ملتے تھے ، اور گاؤں کا مکھیا نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ انہیں پیڑے تقسیم کرتا تھا ..... پر مسرت اور مقدس ساعتوں کی خوشبو سارے گاؤں میں پھیلتی چلی جائے ، یگانگت اور ''یکجہتی کی ہوائیں چلتی رہیں ... مگر آج وہ جگہ ویران ہے ، وہاں الو بولتے ہیں۔

ایک ادھوری کہانی : از: یوسف عارفی: مطبوعہ ماہنامہ شاعر۔ مدیر: افتخارامام صدیقی شمارہ : جلد: }
{صفحہ ۳۸

مٹتے لمحوں کاکرب '' مینماضی دوبارہ یوسف عارفیؔ کے تعاقب میں ہے یہاں '' بے ہودہ '' کا گنوار چھوٹا بھائی بن کر ایک نئے سفر میں '' ماضی کی یادوں سے احساس محرومی اور کرب میں مبتلا کر دیاہے ۔'' اس کی لاش '' '' سفر بے سمت ہوگیا '' اور'' بے سمت مسافر کا سفر '' میں راوی جن چیزوں کو اصل حالت میں دیکھنے کا خواہشمند تھا وہ تمام اشیاء '' سفر بے سمت ہوا '' میں اپنی اصل ہیت کھو چکے ہیں اور راوی سوچتا ہے کہ سفر بے سمت ہوا یامسافر بے سمت ! یوسف عارفیؔ اپنے گاؤں سے جڑی یادوں اور اپنی آبائی تہذیب اور زبان کی باز یافت اور بقاء کے لئے محو سفر نظر آتے ہیں۔ '' پھر سفر بے سمت ہوا '' میں شہر سے کرنکوٹ کی سمت یوسف عارفیؔ کا سفر ختم ہوتا ہے ، اور بعد کے افسانے سنہرے ماضی سے وابستہ ہو کر بھی ایک نئے جہاں کی سیر کراتے ہیں۔ ان افسانوں میں سماجی عدم توازن، مٹتی ہوئی شناختیں اور نئی نسل کی اپنی زبان سے دوری سے پیدا ہونے والا کرب نظر آتا ہے ۔ '' ایک غیر ضروری آدمی '' ایک کہانی مٹتی ہوئی اقلیت کے نام ''، اور '' ایک غیر ضروری آدمی کی آخری شاپنگ '' اس نوعیت کے قابل ذکر افسانے ہیں۔ '' ایک غیر ضروری آدمی ''(مطبوعہ سب رس 1988) میں یوسف عارفیؔماضی کے جھروکوں سے حال کا جائزہ لیتے ہوئے ایک ایسے فرد کی کہانی لکھ رہے ہیں جو اپنی زبان ، اورتہذیب و ثقافتی شناختیں چھین لئے جانے سے بے اطمینانی محسوس کر رہاہے ۔

کیا تم اس بات پر احتجاج نہیں کروگے کہ تم سے تمہارے لفظ چھینے جارہے ہیں، ورثہ چینا جارہاہے اور رگوں میں دوڑتے لہو کی '' تازگی کامذاق اڑایا جارہا ہے۔''

ایک غیر ضروری آدمی : از: یوسف عارفی: مطبوعہ ماہنامہ سب رس۔ مدیر: ۱۹۸۸ء: صفحہ { ۴۱}

زبان اورتہذیبی وراثت چھینے جانے کا یہی دکھ ہے جو اسے احتجاج کرنے پر اکسا رہا ہے کیونکہ گھر ، دفتر، خلوت اور جلوت ہر جگہ وہ خود کو تنہا اور خود کو غیر ضروری محسوس کر رہاہے اور اس کے اندر کہیں محرومی اورتنہائی کا شدت سے احساس ہوتا ہے ۔ افسانے کی ابتداء سے انجام تک اسی احساس محرومی کی وجہ سے بے اطمینانی ، بے چینی اور عدم تحفظ کا شکار روای کو سکون ملتا ہے ۔حبیب اللہ کا عرس ابھی ناغہ نہ ہوا تھا اور ہنومان جی کی جاترا میں کھیر پکانے والی بڑی کڑھائی کے پیندے میں چھید نہیں پڑی تھی اسی وقت ہی تہذیبی وراثت میں تنزل پیدا ہوگیا تھا ۔ کتابوں کی گھٹتی ہوئی وقعت کو دیکھ کر وہ سوچتا ہے کہ '' کاش کہ صدر دروازے کی چھت گر جاتی تو نئی پرانی عادتوں اورنئی پرانی تہذیبوں کے تعاقب میں بھاگنے والا یہ شخص بھی ختم ہوسکتا تھا۔

ایک کہانی مٹتی ہوئی اقلیت کے لئے '' میں '' ایک ضروری آدمی '' کا بچا کھچا زبان اورتہذیب و تمدن کا اثاثہ ختم ہوگیا ہے ۔ افسانے کا '' آغاز اس جملے سے ہوتا ہے ۔

''اب تو سہ پہر کاوقت بھی نکالا جارہا ہے۔''

ایک کہانی مٹتی ہوئی اقلیت کے لئے : از: یوسف عارفی: مطبوعہ سہ ماہی تشکیل کراچی: مدیر: ناصر بغدادی ، اپریل تا دسمبر ۱۹۹۷ء: صفحہ ۹۸ }

ایک غیر ضروری آدمی کی آخری شاپنگ '' موضوع کے اعتبار سے پچھلے افسانوں سے بالکل مختلف ہے ۔ افسانے کا راوی ماضی کی ''' بھول بھلیوں سے پوری طرح نکل گیا ہے ۔ افسانے کا تھیم خالص سماجی اور نفسیاتی ہے ۔ عارفیؔ نے افسانے میں اردوزبان سے تعلق رکھنے والے متوسط طبقے کے ریٹائرڈ فرد کے جذبات و احساسات کی عکاسی کی ہے ۔ افسانے کا یہ فرد زندگی بھر آسودہ حال رہنے کی خواہش کے ساتھ جی رہا ہے ۔ اسے وہ آسائیشیں میسر نہیں ہیں جو آج کے ترقی یافتہ دور میں میسر ہیں۔ عمر کے 58برسوں میں یہی حسرت رہی کہ پیٹ بھر کھالوں اور کھلاؤں ، تن بھر اچھے کپڑے پہنوں اور پہناؤں ۔ 58 سال سے دبی تمام آرزوؤں کو پورا کرنے شہر بھر کی خاک چھانتے ہوئے تیسرے دن بھوکا پیاسا نڈھال ہر ہر قدم پر اسے اپنی سر اٹھاتی خواہشوں کاگلا گھونٹنا پڑ رہا ہے ۔ ناشتہ کی خواہش کو دباتے ہوئے وہ بھوکا پیاسا Provision Store میں دخل ہوتا ہے ۔ وہاں سے خالی ہاتھ لاغر جسم کو چھپائے اور سردی سے بچنے گرم کوٹ اور مفلر خریدنے کلاتھ سنٹر خریدنے کی خواہش کا گلاگھونٹ کر یہاں سے فوٹو اسٹوڈیو میں داخل ہوتا Jeans Pant میں داخل ہوتا ہے اور اپنی انا کو کچلتے ہوئے بیٹے کو ہے اس کی شدید خواہش ہے کہ وہ 28 سال پچھے لوٹ کر عذاب گزیدہ دنیا کے جھمیلے سے آزاد نوجوان ہوجائے ، اورایمانداری و بے ایمانی ، سچ اورجھوٹ کے تجربوں سے گزر کر اس دور کا آسودہ حال شخص بن جائے ۔ کتابوں کی دکان میں '' امراؤجان '' کانیا ایڈیشن دیکھ کر اسے جو خوشی ہوتی ہے وہ دکان سے نکلتے ہوئے لا حاصلی کے کرب میں بدل جاتی ہے ۔ قدم قدم پر خود داری پر پڑتی زک کو سہتے ہوئے تھک بھری ہوئی جیپ پر ہاتھوں کی گرفت مضبوط کرتے ہوئے گرتے پڑتے گھر آکر بڑی ہی یاسیت سے بیوی کو سواری نہ ملنے کی کہانی سناتا ہے۔ بیوی جب اس کی آوارہ گردی پر اعتراض کرتی ہے تو وہ شان بے نیازی سے کہتا ہے :

آوارہ گردی ..... ! کیا بک رہی ہو تو ! میں تو شاپنگ کے لئے نکلا تھا '' حیرت زدہ بیوی کے سوال پر کہ '' خالی جیب ہی '' شاپنگ کو چلے تھے ۔''

ایک غیر ضروری آدمی کی آخری شاپنگ : از: یوسف عارفی:کرناٹک میں اردو افسانہ : مرتب : قاضی ضیاء : صفحہ { ۱۴۲ }

وہ کہتا ہے ''خالی جیب نہیں بلکہ نوٹوں سے بھری جیب! اور بڑے اطمینان سے بھری جیب تھپتھپا کر اس میں ہاتھ ڈالتا ہے تو اس کے ہاتھ میں نوٹوں کی جگہ ریٹائرمنٹ کے کاغذات کا پلندہ ہوتا ہے ۔ یوسف عارفیؔ نے سہ بعدی اور منتاج تکنک کے تحت افسانے کے کینواس پر ابتداء سے انجام تک ایک ان کہا کرب، یاسیت اور احساس بے مائیگی کو سمودیا ہے ۔ محرومیوں میں گھرا کردار ان سینکڑوں ایماندار افسروں کا المیہ بیان کر رہا ہے جو ریٹائرمنٹ کے بعد خودکو '' کولہو کے بیل'' کی طرح وہیں محسوس کرتے ہیں جہاں سے انہوں نے مستقبل کے سنہرے خوابوں کے ساتھ امنگوں اور آرزوؤں بھری زندگی کا آغاز کیا تھا ۔ ہم عصر افسانہ نگارونکے شانہ بشانہ آپ نے بھی اردوافسانوں کوموضوع ہئیت اور اسلوب کے اعتبار سے نئے تجربوں سے روشناس کیا۔ اسلوب کی سطح پر یوسف عارفیؔ کے افسانوں میں فن افسانہ کے تحت ابتداء، درمیانی باڈی اور انجام کا باقاعدہ اہتمام نہیں ملتا۔ آپ کے دوسرے اور تیسرے زمرے کے افسانوں میں فنی لوازمات سے انحراف نظر آتا ہے اس ضمن میں یوسف عارفیؔ خود کہتے ہیں:

ہوتی ہیں۔ میں ان لوازمات کی پابندیوں سے Pre Planned افسانے میں ابتداء ، درمیانی باڈی نقطۂ عروج اورانجام وغیرہ ساری چیزیں '' ''گریز کرتے ہوئے کہانیاں لکھنا شروع کر دیتا ہوں ۔

{''یوسف عارفی سے ایک ملاقات :از قاضی ضیاء: مطبوعہ روزنامہ '' سالار }

برقرار (Continuity) آپ فنی لوازمات سے انحراف کرتے ہوئے بھی بڑی چابکدستی کے ساتھ افسانہ کے فنی بہاؤ میں ایک تسلسل رکھتے ہیں۔ فنی عناصر سے انحراف کر کے تسلسل کے ساتھ افسانے کو آگے لے کر چلنا بڑا جوکھم کا کام ہے ۔ سوائے '' اس کا دکھ '' کے یوسف عارفی کے تقریباً تمام افسانوں میں بکھراؤ ہی بکھراؤنظر آتا ہے ۔ شعور کی رو اور منتاج تکنیک کے مبہم نقوش اس بکھراؤ میں نظر آجاتے ہینلیکن یہ بکھراؤ جدید یا تجریدی افسانوں کی طرح درہم برہم نہینہوتا بلکہ موضوع کے ساتھ منظم و مربوط ہے۔

: افسانے اپنی ارتقائی سفر میں قاری کے ذہن پر واضح ہوتا چلا جاتا ہے ۔ افسانوں میں بکھراؤ کی وجہ بیان کرتے ہوئے یوسف عارفیؔ کہتے ہیں

تسلسل میں وہ ساری باتیں کہہ نہیں سکتا جو بکھراؤ میں ممکن ہیں، بکھراؤ بھی ایسا نہیں کہ میں بالکل اکیلا الگ چل رہا ہوں، '' '' بلکہ میں قاری کوبھی ساتھ لے کر چلتا ہوں اور یہ بہت مشکل کام ہے

یوسف عارفی سے ایک ملاقات :از قاضی ضیاء: مطبوعہ روزنامہ '' }
{''سالار

یوسف عارفیؔ نے اپنے افسانوں کو موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے منفرد بنانے کی فنی کوشش کی ہے ان کے افسانوں کا تفہیمی عنصر نہ تو بہت زیادہ علامتی ہے اور نہ ہی استعاراتی۔ افسانوں میں علامتوں کی بجائے ایمائیت کے ایسے لطیف پیرائے ہوتے ہیں جن کے باطن میں چھپی معنویت بغیر کسی دماغ سوزی کے قاری کی سمجھ میں آجاتی ہیں۔ عارفیؔ افسانے میں اصل واقعہ کے ساتھ ضمنی واقعہ کو اتنی چابکدستی سے جوڑتے ہیں کہ یہ واقعہ افسانے سے میل نہ کھاتے ہوئے بھی افسانے کا جزوے لازم نظر آتا ہے ۔ '' ایک کہانی مٹتی ہوئی اقلیت کے لیء '' میں سوغات ''، نظم نمبر'' کا ذکر فسادات اور دہشت گردی کی باتیں اس کی مثال ہیں۔عارفیؔ کے افسانوں کے تقریباً تمام کردار بے نام ہوتے ہیں۔ بس اکادکا کرداروں کے نام ہوں گے ۔ فتح احمد باباؔ ، پالؔ اور سعیدہؔ یہ تمام دراصل ضمنی کردار ہیں۔ ناسٹلجک اسلوب میں لکھے گئے افسانوں کے کرداروں میں تذبذب کی یہ کیفیت بہت زیادہ نظر آتی ہے انہیں احساس ہے کہ نئی نسل آبائی تہذیب اور اپنی زبان سے دور ہو رہی ہے ۔ ہمارا تمام تر تہذیبی ، علمی اور ثقافتی سرمایہ جو ہماری زبان میں ہے وہ بے کار ہو رہا ہے ۔ اس کے باوجود وہ کھل کر احتجاج نہیں کرتے ۔ا '' ایک غیر ضروری آدمی میں'' راوی کم از کم بیٹی کو اردوسکھانے کا خواہشمند ہے ، لیکن وہ بولنے یا نہ بولنے کے تذبذب کاشکار ہو کر محض اتنا : کہتا ہے

''اور سعیدہ بیٹی ..... میں تمہارے لئے ٹیوشن کا بندوبست کرتا ہوں، تب تک تم ... تم ... تم ۔''

ایک غیر ضروری آدمی از: : یوسف عارفی: مطبوعہ سب رس : نومبر ۱۹۸۸ء صفحہ }
۴۳}

کردار سازی کی طرح مکالمے چست بے ساختہ اور طنز سے بھر پور نظر آتے ہیں۔ سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے مکالمے کہیں کہیں شگفتگی کے کل بوٹے بھی کھلادیتے ہیں۔ مکالموں کی یہ بے ساختگی جذباتیت سے بھی بھر پور ہوتی ہے ۔ آپ کا مشاہدہ اتناعمیق ہے کہ مکالموں میں جذباتی اور نفسیاتی اظہار حقیقی نظر آتا ہے ۔ یوسف عارفیؔ کے بیانیہ طرز کے افسانوں میں مکالمے بہت کم نظر آتے ہیں۔ خود کلامی کے طرز میں تخلیق پانے والے افسانوں میں جہاں بھی مکالمے ہیں افسانے کے کردار کو بے انتہا جاندار بنا دیتے ہیں۔ مکالموں کا جذباتی پن قاری کے ذہن و دل کو بہت متاثر کرتا ہے ۔ ازدل خیز و بردل ریزد کے مصداق افسانوں کے مکالموں کی چستی فاضل افسانہ نگار کے دل سے نکلی ہوئی بات محسوس ہوتی ہے اور راست قاری کے دل پر اثر کرتی ہے۔ ایک غیر ضروری آدمی '' ایک کہانی مٹتی ہوئی اقلیتوں کے نام '' اور ایک غیر ضروری آدمی کی آخری شاپنگ'' کے مکالمے اس کی مثال ہیں۔

یوسف عارفیؔ کے اکثر افسانے ابتداء سے لے کر انجام تک مختلف مناظر کے مرقعے پیش کرتے ہیں۔ بے سمت مسافر کا سفر، میں بھیما ندی کا پل ریل کی بدلی ہوئی حالت سفر کے دوران مختلف مناظر کا مشاہدہ اور ایک غیر ضروری آدمی کی آخری شاپنگ میں ٹریفک اور سامنے موجود پارک کی منظر کشی اس ضمن میں قابل ذکر ہے ۔کنایت لفظی، خوبصورت تشبیہات، اورجملوں کی ادبیت آپ کے عمیق مطالعے کا ثبوت ہے ۔ افسانے کا کسا ہوا اسٹرکچر افسانے کو نہ ہی انتہائی مختصر کرتا ہے اور نہ ہی طول طویل ، ابتداء سے انجام تک افسانہ ایک طے شدہ روش پر بڑھتے ہوئے انجام پاتا ہے ۔ یوسف عارفیؔ کے افسانے المیہ ہوتے ہیں۔ افسانے کے انجام میں موجود پھیلاؤ اپنے اندر فکری گہرائی کاحامل نظر آتا ہے ۔ ااپنے ہم عصر نمائندہ افسانہ نگاروں کی طرح عارفیؔ نے بھی افسانے کے انجام پر افسانے میں شامل واقعات اور عوامل کے معائب اور محاسن کی نشاندہی کر کے فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا ہے ۔